MY ISLAMICUS
A Research Journal of Institute of Islamic Studies & Shariah, MY University Islamabad, Pakistan
https://myislamicus.com/index.php/myi Volume.1, Issue.1 (Dec-2024)

A research and analytical study of religious thoughts in the light of Iqbal's thought

فکرِ اقبال کی روشنی میں مذہبی افکار کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

عروسہ لطیف[1]

Abstract

Thought is the outcome of human contemplation and intellectual engagement, shaped by two fundamental elements: the subject of reflection and the foundational reference that forms the basis of understanding. In the context of Islamic thought, the Holy Quran serves as the ultimate foundation, while Hadith provides its interpretation. Thus, the thoughts of the Prophet Muhammad (peace and blessings be upon him) are the essence of Islamic thought.

Allama Muhammad Iqbal, a prominent philosopher and poet, has profoundly articulated Islamic thought through his works. His philosophical and poetic expressions not only reflect a deep understanding of Islamic teachings but also provide a framework for intellectual and spiritual revival. Iqbal emphasized the dynamic and evolving nature of thought in light of Quranic guidance, advocating for self-discovery, spiritual elevation, and intellectual empowerment. His concept of "Khudi" (selfhood) encourages individuals to recognize their potential through faith, knowledge, and action, ultimately contributing to the development of a progressive Islamic society. This article explores the Islamic thoughts of Allama Iqbal, highlighting his interpretation of Quranic philosophy, the significance of independent reasoning (Ijtihad), and his call for a renewed Islamic consciousness. By analyzing his works, this study aims to demonstrate how Iqbal's thoughts align with the core principles of Islam while offering a visionary approach to contemporary challenges. His ideas continue to inspire intellectual discourse, shaping modern Islamic thought and guiding future generations toward a balanced synthesis of tradition and progress.

Keywords: Thought, Interpretation, Reference, Contemplation.

فکر دراصل انسانی غور و فکر کے نتیجے کا نام ہے۔ فکر کی تشکیل میں دو چیزیں بنیادی ہوتی ہیں جو اس فکر یا نتیجہ فکر کی شناخت فراہم کرتی ہیں۔ ایک وہ موضوع جس پر غور و فکر کر کے انسان کسی نتیجہ تک پہنچا ہو اور دوسری وہ بنیاد اور وہ مرجع جس

[1]۔ ایم فل ریسرچ اسکالر، انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز اینڈ شریعہ، ایم وائی یونیورسٹی، جاپان روڈ اسلام آباد۔

Email.aroosazia84@gmail.com

پر غور و فکر کی پوری عمارت قائم کی گئی ہو۔اسلامی فکر کی بنیاد قرآن کریم ہے اور حدیث اس کی تشریح ہے۔یہ کہا جاسکتا ہے کہ فکر رسول ﷺ ہی اصل میں افکار اسلامی ہیں۔ گویا اسلامی افکار کو صالح کرنے کے لیے اپنی بنیادوں کو دیکھنا پڑتا ہے۔افکار کے ارتکاء کے لیے افراد کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسلامی فکر کو علامہ محمد اقبال نے بہت خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔اقبال زمانہ شناس اور عہد ساز شاعر تھے۔ انھوں نے مشرق و مغرب کے سیاسی، تہذیبی، معاشرتی اور روحانی حالات کا گہرا مطالعہ کیا اور مشرق کو اس کی بدحالی اور خاص طور پر مسلمانانِ ہند کو ان کی کمزوریوں اور خامیوں پر خبردار کرتے ہوئے اپنی شاعری کے ذریعے بالخصوص نوجوانوں کو علم و عمل کی ترغیب دی۔اقبال نے مسلمانوں کو حیات و کائنات کو مسخر کرنے اور اسلاف کے فراموش کردہ کردار اور ورثے کو پانے اور اس کا احیا کرنے کی طرف مائل کیا۔

مسلم تہذیب میں موجود امتیازی تصور کے بارے میں اقبال فرماتے ہیں۔

وہ مذہب مردان خود آگاہ و خدا مست

یہ مذہب ملا و جمادات و نباتات

میرا یہ آرٹیکل درج ذیل موضوعات پر مشتمل ہو گا:

۱۔لفظ فکر کے مفاہیم و معنی

۲۔مذہب کا معنی و مفہوم

۳۔فکر اقبال (توحید، ختم نبوت)

۴۔اقبال کے مذہبی افکار

۵۔خلاصہ بحث

۷۔مصادر اور مراجع

لفظ فکر کے مفاہیم اور معنی

فکر کا لغوی مفہوم

فکر عربی زبان کے لفظ فکرہ سے ماخوذ ہے جس کے بہت سے معنی ہیں اندیشہ، تردد، دغدغہ، الجھن، دھیان، خیال، پروا، تدبیر، غور و خوض، سوچ بچار، تفکر

اصطلاحی مفہوم

اصطلاح میں فکر سے مراد ہے کوئی بھی ایسی چیز جو سوچنے کے دوران عقل کے سامنے ہو۔ فکر کو بعض اوقات تصور بھی کہا جاتا ہے۔[2]

اہل مناطقہ کی نزدیک فکر کی تعریف

فکر کی منطقی تعریفیہ ہے:"معلوم امور یعنی مقدمات کو اس طرح ترتیب دینا کہ اُن سے نامعلوم چیز معلوم ہو جائے یا دل ودماغ میں امور کے بارے میں تدبر و تفکّر کرنا"[3]

جرجانی کے نزدیک فکر کی اصطلاحی تعریف

علامہ میر سید شریف جرجانی نے اپنی کتاب "التعریفات" میں کی ہے:"فکر کی جمع افکار ہے، فکر کے معنی ہیں: عقل کو معلومات میں اس طرح استعمال کرنا کہ نامعلوم کی معرفت حاصل ہو جائے۔[4]

صوفیا کی نزدیک فکر کی تعریف

دائرۂ معارفِ اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب میں تصوف کی اصطلاح کے طور پر فکر کو ذکر کے مقابلے میں لیا ہے اور لکھا ہے:"اربابِ تصوف عام طور پر فکر کے مقابلے میں ذکر استعمال کرتے ہیں، اس لحاظ سے فکر کا ترجمہ تصور یا مراقبہ بھی ہو سکتا ہے، فکر میں مشغول صوفی جب کسی حالت میں مستغرق ہوتا ہے تو وہ (دراصل) بعض افکار کے اتار چڑھاو یا اپنے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں غور و فکر کرتا ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے تصور میں مستغرق رہنے کو فکر سے تعبیر کیا ہے۔[5]

مذہب کی لغوی تعریف

مذہب کے لغوی معنی راستہ، گزرنا، جانے کی جگہ، مسلک، آئین، عقیدہ رائے یا نظریہ کے ہیں۔

مذہب کو انگریزی میں religion کہتے ہیں جو کہ لاطینی زبان کے لفظ religio سے نکلا ہے۔ جس کا مطلب ہے امتناع، پابندی ہے۔

---

[2]۔ ویکیپیڈیا، آزاد دائرہ المعارف

[3]۔ القواعد الفقہیہ، مفتی محمد عمیم الاحسان، ہند: مکتبۃ الاتحاد، ص ۳۷

[4]۔ التعریفات، علامہ میر سید شریف جرجانی، قاہرہ: مجمع اللغۃ العربیہ، ۲۰۰۹، ص ۱۶۸

[5]۔ دائرۂ معارفِ اسلامیہ، لاہور: دانش گاہ پنجاب، ج ۱۵، ص 450

مافوق الفطرت قوت کو اطاعت، عزت اور عبادت کے لیے بااختیار تسلیم کرنے کا عمل، اس قسم کی مختار قوت کو تسلیمکرنے والوں کا یہ احساس یاروحانی رویہ اور اس کا ان کی زندگی اور طرز زیست سے اظہار، متبرک رسوم ورواج یا اعمال کے سرانجام دیے جانے کا عمل، خدائے واحد و مطلق یا ایک یا زیادہ دیوتاؤں پر ایمان لانے اور ان کی عبادت کا ایک مخصوص نظام۔[6]

مذہب کی اصطلاحی تعریف

دین اور مذہب ہم معنی ہیں لیکن فقہی مکاتب کے ہاں لفظ "مذہب" مخصوص سوچ یا نظریے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مذہب ہماری اسلامی تاریخ کے دین کے ماہر علماء وفقہاء کی اس فکر کا نام ہے جو انہوں نے دین کے کسی اہم مسئلے پر غور و فکر کے بعد اپنی رائے کی صورت میں دی۔ اس سوچ اور فکر کو جب اپنایا جاتا ہے تو اسے مذہب کا نام دیا جاتا ہے۔

مذہبی افکار پر بہت سے علما کرام نے اپنی اپنی آرا کا اظہار کیا ہے جن میں مولانا شبلی نعمانی، سر سید احمد خان، مولانا ابوالکلام آزاد علامہ اقبال وغیرہ سر فہرست ہیں۔ لیکن یہاں ہم علامہ اقبال کے مذہبی افکار کا ذکر کریں گے۔

فکر اقبال

اگر ہم اقبال کی شاعری کا بغور مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اقبال کی شاعری کے دو بنیادی ماخذ ہیں:

قرآن اور حدیث

اقبال نے اپنے تمام تر تصورات کی عمارت قرآن مجید سے اخذ کردہ مفاہیم پر قائم کی ہے اقبال کی فکر کا سرچشمہ بے شک قرآن ہی ہے جس کا اظہار آپ نے اپنے اشعار میں کئی بار کیا ہے۔ علامہ اقبال اپنی کتاب رموز بے خودی کی ایک نظم میں اللہ کے حضور عرض کرتے ہیں۔

گر دلم آئینۂ بی جوہر است
ور بحرفم غیر قران مضمر است
پردہ ناموس فکرم چاک کن
این خیابان نے راز خارم پاک کن[7]

اگر میرا سینہ جوہر سے خالی ہے یا میری شاعری میں قران کے علاوہ کچھ اور ہے تو آپ میری فکر کی عزت و حرمت کا پردہ چاک کر دیں اور میرے جیسے کانٹے سے پھولوں کی کیاری (امت) کو پاک کر دیں۔

---

[6]۔ ویکیپیڈیا، آزاد دائرہ معارف

[7]۔ رموز بے خودی، علامہ محمد اقبال، عرض حال بحضور رحمت للعالمین، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۴، ص ۱۵۷

علامہ اقبال کی فکر کی بنیاد قرآن مجید ہے ان کی فکر و سوچ کا محور صرف اور صرف قرآن مجید ہے۔اقبال کا خیال ہے کہ مسلمانوں کی ترقی، عروج و زوال سب قرآن سے جڑا ہے۔اقبال کی قرآن سے جذباتی وابستگی کے بارے میں ان کے بچپن کے ایک واقعہ کا اکثر محققین نے ذکر کیا ہے، پروفیسر قاری محمد طاہر نے اس واقعہ کو اپنے مضمون "فکر اقبال کی اساس" میں یوں بیان کیا ہے:

"علامہ اقبال کی اوائل عمری کا یہ واقعہ بڑا معروف ہے کہتے ہیں کہ میرا معمول تھا کہ میں صبح تلاوت کلام اللہ بالجہر کیا کرتا تھا۔والد صاحب فجر کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے گھر آتے مجھے تلاوت کرتے دیکھتے لمحہ بھر توقف کرتے اور پاس سے گزر جاتے، ایک روز گزرتے ہوئے میرے پاس آکر بیٹھ گئے، کہنے لگے یہ تم کیا پڑھ رہے ہو مجھے اس غیر معمولی سوال پر تعجب ہوا اور ملال بھی کیوں کہ انہیں معلوم تھا کہ میں قرآن مجید پڑھ رہا ہوں۔اس لئے سوال بے معنی لگا، میں نے جواب میں کہا قرآن مجید پڑھ رہا ہوں، فرمانے لگے تم جو کچھ پڑھ رہے ہو اسے سمجھتے بھی ہو، میں خاموش رہا، والد صاحب اٹھے اور چلے گئے، اس واقعہ کے بعد ایک روز انہوں نے مجھے پاس بلایا اور کہا بیٹا قرآن مجید وہ شخص سمجھ سکتا ہے جس پر اس کا نزول ہو، جب تک تم یہ نہ سمجھو کہ قرآن مجید تمہارے قلب پر اتر رہا ہے، اس کیفیت کے بغیر تلاوت کا مزہ نہیں اور تم قرآن مجید کو پوری طرح سمجھ بھی نہیں سکتے، اگر تم تلاوت اس طرح کرو جیسے یہ تم پر نازل ہو رہا ہے، یعنی اللہ خود تم سے ہم کلام ہے تو یہ تمہارے رگ و پے میں سرایت کر جائے گا۔[8]

تب ہی سے علامہ نے قرآن کے معنی و مفہوم کو سمجھنے اور اس کو اپنی عملی زندگی میں نافذ کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔بقول اقبال

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف[9]

علامہاقبال اپنے اس شعر میں فرماتے ہیں کہ جب اپنے دل و دماغ میں نزول قرآن کا تصور و احساس نہ ہو تب تک ہم قرآن کے نزول کے مقصد اور اس میں پنہاں راز کو حاصل نہیں کر سکتے، کسی بھی مقصد کو حاصل کرنا ہے تو آدمی کے اندر تڑپ، جستجو، بے چینی اور محنت کا ہونا ضروری ہے، خود علامہ نے اپنے ایک شعر میں اس بات کو بھی بیان کیا ہے کہ

کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں

---

[8]۔ فکر اقبال کی اساس، پروفیسر قاری محمد طاہر، روزنامہ پاکستان ۲۸ نومبر 2016

[9]۔ بال جبرئیل، علامہ محمد اقبال، کمال جوش جنوں میں رہا میں گرم طواف، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ص ۴۱۸

ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں[10]

انسانیت کی کامیابی کا راز قرآن کریم کی تعلیمات میں ہی پوشیدہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کامیابی کی کنجی کو صاحب کتاب پیغمبر مصطفیٰ ﷺ کے ذریعے انسانوں تک پہنچایا۔ اور ان کے مبارک طریقہ زندگی کو رہتی دنیا تک انسانیت کی کامیابی کا ضامن قرار دیا۔ اسی لیے اقبال نے کی محمد سے وفا کہہ کر یہ حقیقت بیان کر دی کہ قرآن کو صاحب قرآن سے سمجھنا ہے اور ان کے مبارک طریقہ حیات کو ہی اپنی حقیقی کامیابی کا ضامن سمجھنا چاہئے۔ علامہ اقبال نے نظم شکوہ میں خدا کے گھر کعبتہ اللہ کو اپنے سجدوں سے آباد رکھنے اور کلام اللہ قرآن مجید کو سینوں میں محفوظ رکھنے کی بات کو کیا خوب بیان کیا ہے۔

تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے

تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے[11]

اقبال نے اس نظم کے ذریعے عالم اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ کی مکمل تصویر کھینچی ہے، ساتھ ہی مسلمانوں کی پستی و زوال کی شکایت اللہ رب العزت سے کی ہے اور مندرجہ بالا شعر میں اللہ سے شکایت کی ہے کہ ہم نے تیرے گھر یعنی کعبہ میں اپنی عبادتوں کے ذریعے اس کو آباد رکھا اور اس کی حفاظت کی ہے ساتھ ہی تیرے کلام کو اپنے سینوں میں محفوظ کر لیا ہے اس کے باوجود بھی تو ہم سے ناراض ہے اور ہماری وفاداری پر تجھے شک ہے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی عظمت کی وجہ سے مسلمانوں کو دنیا بھر میں شان و شوکت نصیب ہوئی تھی، قرآن کی تعلیمات کا ہی اثر تھا کہ مسلمان چاند و تارے کی مانند اس جہاں میں جگ مگا رہے تھے۔ اقبال اپنی کتاب ضرب کلیم کی ایک نظم تن بہ تقدیر میں آج کے مسلمان کو قرآن کے ساتھ جڑے رہنے والے مومنین کی صفات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اسی قرآں میں ہے اب ترکِ جہاں کی تعلیم

جس نے مومن کو بنایا مہ و پرویں کا امیر[12]

وہی مسلماں جس نے اس کہکشاں میں مومنانہ صفات کی وجہ چاند و تارے کی مانند چمکنے والے آج اس دنیا کے دلدادہ ہو گئے ہیں اور اپنی تعلیمات کو بھلا دیا ہے۔ اقبال کی فکر کے محور قرآن سے ان کی وابستگی کیلیے کچھ مثالیں ہیں جو ان کے کلام سے اجاگر ہوتی ہیں۔

---

[10]۔ کلیات اقبال، علامہ محمد اقبال، جواب شکوہ، کراچی: لائن پبلشرز، ص ۱۲

[11]۔ ایضاً

[12]۔ ضرب کلیم، علامہ محمد اقبال، نظم تن بہ تقدیر، کراچی لائن پبلشرز، ص ۲۴

علامہ اقبال اپنی ہر قسم کی افکار کا حل ارشادات نبوی ﷺ میں تلاش کرتے تھے اس لئے آپ انسان کامل کے لیے عشق مصطفی ﷺ کو اولین شرط قرار دیتے ہیں اور ان کے خیال میں یہی شرط افراد ملت کو ایک نقطہ وحدت پر جمع کر سکتا ہے۔ جیسا کہ اقبال اپنے شعر میں فرماتے ہیں

ہر کہ عشق مصطفی سامان اوست

بحر و بر در گوشۂ دامان اوست

روح را جز عشق او آرام نیست

عشق او روزیست کو را شام نیست[13]

جس کے پاس جناب رسول پاک ﷺ کی محبت کا سامان ہے، اس کے دامن کے پلو میں بحر و بر بندھے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ کی محبت کے بغیر روح کو تسکین حاصل نہیں ہوتی؛ آپ ﷺ کا عشق ایسا روز (روشن) ہے جس پر شام کا گذر نہیں۔

اقبال کے نزدیک اُمت مسلمہ کی عزت و آبرو سب حضور ﷺ کے عشق کی بدولت ہے۔ جیسا کہ اقبال فرماتے ہیں۔

در دل مسلم مقام مصطفیٰ است

آبروئے ما ز نام مصطفیٰ است[14]

مسلمان کے دل میں محمد مصطفیٰ ﷺ کی محبت رچی بسی ہے ان کی ہی نسبت سے ہماری آبرو قائم ہے۔

یعنی حضور نبی کریم ﷺ کی محبت ان کا مقام ہمارے دل میں اور ہماری عزت و آبرو قائم رہنے کی اصل وجہ بھی اسی بات میں ہے کہ ہم آقا کریم ﷺ کی محبت ان کے عشق سے اپنے قلوب و اذہان کو منور رکھیں۔

اصل میں وجودِ مصطفیٰ ﷺ ہی فکرِ انسانی کی معراج ہے اور عملِ انسانی کا نقطۂ کمال بھی۔ اس لیے اقبال کے نزدیک اتباعِ مصطفیٰ آپ ﷺ کی ذات و صفات کے اندر فنا ہوئے بغیر نہیں آسکتی۔

اقبال کے مذہبی افکار

اقبال کے مذہبی افکار میں مرد مومن، فلسفہ خودی، فلسفہ عقل و عشق، فلسفہ تعلیم اس کے علاوہ اور بھی بہت سے افکار شامل ہیں اقبال کے ان افکار پر لکھنا انتہائی مشکل کام ہے یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ اقبال کے مذہبی افکار پر لکھنا دریا کو کوزے میں

---

[13]۔ پیام مشرق، علامہ محمد اقبال، بحضور امیر امان اللہ خان، لاہور: مشتاق بک کارنر، ص ۳۷

[14]۔ اسرار خودی، علامہ محمد اقبال، دربیان خودی از عشق، لاہور: مشتاق بک کارنر، ص ۵۶

MY ISLAMICUS
A Research Journal of Institute of Islamic Studies & Shariah, MY University Islamabad, Pakistan
https://myislamicus.com/index.php/myi Volume.1, Issue.1 (Dec-2024)

سمیٹنے کے مترادف ہے۔ یہاں ہم ان افکار کا بس مختصر سا تعارف ہی پیش کریں گے۔

اقبال کا مردِ مومن

مردِ مومن کا تصور جو ہمیں اقبال نے دیا اسے کماحقہ سمجھنے کے لئے ہمارا نقطہ نظر بھی وہی ہونا چاہئے جو اقبال کا تھا. اقبال کے افکار میں "مردِ مومن" یا "انسان کامل" کا ذکر جا بجا ملتا ہے۔ اس کے لیے وہ "مردِ حق" "بندہ آفاقی" "بندہ مومن" "مردِ خدا" اور اس قسم کی بہت سی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں حقیقتاً یہ ایک ہی ہستی کے مختلف نام ہیں جو اقبال کے تصورِ خودی کا مثالی پیکر ہے۔

نقطہ پرکارِ حق مردِ خدا کا یقیں
اور عالم تمام، وہم و طلسم و مجاز[15]

دنیا میں مردِ مومن ہی ایمان و یقین پرکارِ حق کا نقطہ ہے۔ اسی کی وجہ سے اس دنیا میں خدائی احکام جاری ہوتے ہیں۔ اسی کی وجہ سے خدا کی رضا لوگوں کا نصب العین بنتی ہے۔ لہٰذا وہی اس دنیا میں حقیقی چیز (نقطہ پرکارِ حق) ہے۔ باقی جو کچھ بھی ہے وہ سراسر وہم، دھوکا اور مجاز ہے۔ مردِ مومن کے ایمان و یقین کے سوا اس دنیا میں کسی شے کو پائیداری اور استواری نصیب نہیں۔ غرض یہ مثالی ہستی اقبال کو اتنی محبوب ہے کہ بار بار اس کا ذکر کرتے ہیں.

اقبال کے کلام میں مردِ مومن کی صفات اور خصوصیات کو کافی تفصیل سے پیش کیا گیا ہے اور ان صفات کا بار بار تذکرہ اس صورت سے کیا گیا ہے۔ کہ اسکی شخصیت اور کردار کے تمام پہلو پوری وضاحت سے سامنے آجاتے ہیں۔ یہ مردِ مومن وہی ہے جس نے اپنی خودی کی پوری طرح تربیت و تشکیل کی ہے اور تربیت اور استحکامِ خودی کے تینوں مراحل ضبطِ نفس، اطاعت الٰہی، اور نیابت الٰہی طے کرنے کے بعد اشرف المخلوقات اور خلیفۃ اللہ فی الارض ہونے کا مرتبہ حاصل کر لیا ہے۔ اسکے کردار اور شخصیت کی اہم خصوصیات کلامِ اقبال کی روشنی میں مندرجہ ذیل ہیں:

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

جو مردِ مومن یقین کامل کا اہل ہو اس کے زورِ بازو کا اندازہ کرنا ہر کسی کے بس کا روگ نہیں کہ اس کی نگاہ ہی قوموں کی تقدیر بدلنے کی صلاحیت کی حامل ہوتی ہے۔

اقبال کا مردِ مومن حیات و کائنات کے قوانین کا اسیر نہیں بلکہ حیات و کائنات کو اسیر کرنے والا ہے۔ قرآن مجید نے

---

[15] بالِ جبرئیل، علامہ محمد اقبال، مسجد قرطبہ، لاہور: تاج کمپنی لمیٹڈ، ص ۴۱۸

انسانوں کو تسخیر کائنات کی تعلیم دی ہے اور مرد مومن عناصر فطرت کو قبضے میں لے کر انکی باگ اپنی مرضی کے مطابق موڑتا ہے۔ وہ وقت کا شکار نہیں بلکہ وقت اس کے قبضہ میں ہوتا ہے۔

جہاں تمام ہے میراث مرد مومن کی
مری کلام پہ حجت ہے نکتہ لولاک[16]

اقبال کا فلسفہ خودی

اقبال کے فکر کا خاص محور 'خودی' ہے۔ ان کے نزدیک انسانیت کی تکمیل 'خودی' کے پیدا ہونے کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ اسی لیے ان کے تمام تصورات کی طرح تعلیم کا مقصد بھی خودی کی نشوونما ہے۔

فلسفہ خودی کی روح عظمت آدم اور احترام انسانیت ہے جس کے لیے ایک ایسے معاشرے کی تشکیل ضروری ہے جس کی بنیاد نسل ورنگ یا علاقائی تفریق کے بجائے اخوت انسانی اور عالم گیر انسانی برادری پر رکھی گئی ہو۔ تمام امتیازات کو بالائے طاق رکھ کر ہر شخص خودی کے یکساں مواقع حاصل ہوں۔ تکمیل خودی سے مراد فرد کی متوازن سیرت و کردار کی تخلیق ہے جس کے سہارے وہ زندگی کے تمام نشیب وفراز سے کامیاب گزر سکے۔

تصور خودی کو اقبال کے فلسفہ حیات و کائنات میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اگر خودی کے تصور کو سمجھ لیا جائے تو اقبال کی شاعری کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے اقبالیات کے ہر نقاد نے خودی پر کسی نہ کسی شکل میں اظہار خیال کیا ہے۔ ڈاکٹر سعید عبد اللہ اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

"خودی خود حیات کا دوسرا نام ہے۔ خودی عشق کے مترادف ہے۔ خودی ذوق تسخیر کا نام ہے۔ خودی سے مراد خود آگاہی ہے۔ خودی ذوق طلب ہے۔ خودی ایمان کے مترادف ہے۔ خودی سرچشمہ جدت و ندرت ہے۔ خودیقین کی گہرائی ہے۔ خودی سوز حیات کا سرچشمہ ہے اور ذوق تخلیق کا ماخذ ہے۔" خودی

اقبال کے ہاں خودی سے مراد

خودی فارسی زبان کا لفظ ہے جو لغوی اعتبار سے درج ذیل معانی رکھتا ہے ۱)انانیت ۲)خود پرستی ۳)خود مختاری ٤) خود سری ٥)خودرائی ٦)خود غرضی ٧)نخوت، تکبر ٨)اپنے اوپر بھرپور بھروسا کرتے ہوئے سب کچھ حاصل کر لینا۔

"خودی" کا لفظ اقبال کے پیغام یا فلسفہ حیات میں تکبر و غرور یا اردو فارسی کے مروجہ معنوں میں استعمال نہیں ہوا۔ خودی اقبال کے نزدیک نام ہے احساسِ غیرت مندی کا، جذبہ خوداری کا اپنی ذات وصفات کا پاس واحساس کا، اپنی انا کو جراحت و

[16]۔ بال جبریئل، علامہ محمد اقبال، ہوا نہ زور سے اس کے کوئی گریباں چاک، ص ۲۱۰

MY ISLAMICUS
A Research Journal of Institute of Islamic Studies & Shariah, MY University Islamabad, Pakistan
https://myislamicus.com/index.php/myi Volume.1, Issue.1 (Dec-2024)

شکست سے محفوظ رکھنے کا، حرکت و توانائی کو زندگی کا ضامن سمجھنے کا، مظاہراتِ فطرت سے برسرپیکار رہنے کا اور دوسروں کا سہارا تلاش کرنے کی بجائے اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کا۔یوں سمجھ لیجئے کہ اقبال کے نقطہ نظر سے "خودی" زندگی کا آغاز، وسط اور انجام سبھی کچھ ہے فرد وملت کی ترقی و تنزل، خودی کی ترقی و زوال پر منحصر ہے۔خودی کا تحفظ، زندگی کا تحفظ اور خودی کا استحکام، زندگی کا استحکام ہے۔ازل سے ابد تک خودی ہی کی کارفرمائی ہے۔اس کی کامرانیاں اور کارکشائیاں بے شمار اور اس کی وسعتیں اور بلندیاں بے کنار ہیں۔اقبال نے ان کا ذکر اپنے کلام میں جگہ جگہ نئے انداز میں کیا ہے۔

خودی کیا ہے رازِ درونِ حیات
خودی کیا ہے بیدارئ کائنات
ازل اس کے پیچھے ابد سامنے
نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سامنے
زمانے کی دھارے میں بہتی ہوئی
ستم اس کی موجوں کے سہتی ہوئی
ازل سے ہے یہ کشمکش میں اسیر
ہوئی خاکِ آدم میں صورت پذیر
خودی کا نشیمن ترے دل میں ہے
فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے[17]

کہیں یہ ظاہر کیا ہے کہ لا الہ الا اللہ کا اصل راز خودی ہے توحید، خودی کی تلوار کو آب دار بناتی ہے اور خودی، توحید کی محافظ ہے۔

خودی کا سرِ نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لا الہ الا اللہ

کہیں یہ بتایا ہے کہ انسان کی ساری کامیابیوں کا انحصار خودی کی پرورش و تربیت پر ہے۔قوت اور تربیتیافتہ خودی ہی کی بدولت انسان نے حق و باطل کی جنگ میں فتح پائی ہے۔خودی زندہ اور پائندہ ہو تو فقر میں شہنشائی کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔اور کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی تصرف میں آجاتا ہے۔

[17]۔بال جبریل، علامہ محمد اقبال، ساقی نامہ، ص ۴۳۰

فلسفہ خودی کی روح عظمت آدم اور احترام انسانیت ہے جس کے لیے ایک ایسے معاشرے کی تشکیل ضروری ہے جس کی بنیاد نسل ورنگ یا علاقائی تفریق کے بجائے اخوت انسانی اور عالم گیر انسانی برادری پر رکھی گئی ہو۔ تمام امتیازات کو بالائے طاق رکھ کر ہر شخص خودی کے یکساں مواقع حاصل ہوں۔ تکمیل خودی سے مراد فرد کی متوازن سیرت و کردار کی تخلیق ہے جس کے سہارے وہ زندگی کے تمام نشیب و فراز سے کامیاب گزر سکے۔

خودی سے تعمیری کام لینے کے لیے اس کی تربیت ضروری ہے بے قید و بے ترتیب خودی کی مثال شیطان ہے۔ اقبال اسے تخلیق کی عظیم الشان قوت سمجھتے ہیں جو صراطِ مستقیم سے بھٹک گئی ہے۔ خودی کی منازل کے علاوہ تربیت خودی کے مراحل انتہائی اہم ہیں یہ مراحل تین ہیں۔

1) اطاعت الٰہی:۔ اقبال کے نزدیک خودی کا پہلا درجہ اطاعت ہے یعنی اللہ کے قانونِ حیات کی پابندی کرنا

2) ضبط نفس:۔ دوسرا درجہ ضبط نفس ہے انسان نفس کو جس کی سرکشی کی کوئی حد نہیں قابو میں لائے

3) نیابت الٰہی:۔ ان دونوں مدارج سے گزرنے کے بعد انسان اس درجے پر فائز ہو جائے گا۔

جسے انسانیت کا اوج کمال سمجھنا چاہیے۔ یہ نیابت الٰہی کا درجہ ارتقائے خودی کا بلند ترین نصب العین ہے۔

فلسفہ عقل و عشق

عشق عربی زبان کا لفظ ہے محبت کا بلند تر درجہ عشق کہلاتا ہے اور یہی محبت کسی درجے پر جا کر جنوں کہلاتی ہے۔ اس پر اقبال سے بہتر کون بیان کر سکتا ہے عشق کا محرک مجازیا حقیقی ہو سکتا ہے۔ یہ عشق ناممکن کو ممکن بناڈالتا ہے۔ عشق کے مدارج مختلف ہیں کوئی عشق مجازی میں کھو جاتا ہے۔ تو کوئی عشقِ مجازی سے حقیقی تک رسائی حاصل کر کے حقیقی اعزاز و شرف حاصل کرتا ہے۔

اقبال کے یہاں عشق اور ان کے مترادفات ولوازمات یعنی وجدان، خود آگہی، باطنی شعور، جذب، جنون، دل، محبت، شوق، آرزو مندی، درد، سوز، جستجو، مستی اور سرمستی کا ذکر بہت تکرار، تواتر اور انہماک سے ملتا ہے۔ گویا اقبال کے تصورات میں عشق کو مرکزی حیثیتحاصل ہے۔ اقبال کے نزدیک عشق ایک عطیہ الٰہی اور نعمت خداوندی ہے۔ اس کے متعلق اقبال کیا خوب کہتے ہیں یہ ان کی نظم "محبت" سے ماخوذ ہے۔

تڑپ بجلی سے پائی، حور سے پاکیزگی پائی
حرارت لی نفس ہائے مسیحِ ابن مریم سے
ذرا سی پھر ربوبیت سے شانِ بے نیازی لی
ملک سے عاجزی، افتادگی تقدیرِ شبنم سے

پھر ان اجزاء کو گھولا چشمہ حیوان کے پانی میں
مرکب نے محبت نام پایا عرشِ اعظم سے[18]

یہ ہے وہ محبت کا جذبہ عشق جو اقبال کے دائرہ فکر و فن کا مرکزی نقطہ ہے۔یہی تخلیق کائنات سے لے کر ارتقائے کائنات تک رموزِ فطرت کا آشنا اور کارزارِ حیات میں انسان کا رہنما و کارکُشا ہے۔بقول اقبال کائنات کی ساری رونق اسی کے دم سے ہے۔ورنہ اس سے پہلے،اس کی فضا بے جان اور بے کیف تھی۔

عشق از فریادِ ما ہنگامہ ہا تعمیر کرد!
ورنہ ایں بزمِ خموشاں ہیچ غوغائے نداشت

اقبال کے ہاں عشق سے مراد ایمان ہے ایمان کا پہلا جُز حق تعالیٰ کی الوہیت کا اقرار ہے اور اس پر شدت سے یقین ہے اور اس شدت کو صوفیاء کرام نے عشق سے تعبیر کیا ہے۔عقل ہمیں زندگی کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات کا حل سمجھاتی ہے لیکنعشق ہمیں عمل کرنے آمادہ کرتی ہے۔عشق و ایمان سے زیادہ قوی کوئی جذبہ نہیں،اس کی نگاہوں سے تقدیریں بدل جاتی ہیں۔

عشق کی ایک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں[19]

اقبال کے نزدیک عقل و علم کی سب سے بڑی کوتاہیہ ہے کہ اس کی بنیاد شک پر قائم ہے۔اس وجہ سے عقل و علم میں وہ خواص موجود نہیں جو تربیت خودی کے لیے ضروری ہیں۔اس کے مقابلے میں عشق بے خوفی، جرات اور یقین و ایمان پیدا کرتی ہے۔اس لیے وہ خدا سے صاحبِ جنوں ہونے کی آرزو کرتے ہیں۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لبِ بام ابھی[20]

فلسفہ تعلیم

شاعر مشرق علامہ اقبالؒ تعلیم کے متعلق اپنے نظریات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بچے کی تربیت اور سیرت سازی کے لئے استاد اہم کردار ادا کرتا ہے۔لہٰذا استاد کو بھی نمونہ ہونا چاہیے کیوں کہ طلبہ اپنے بزرگوں اور استادوں کے خیالات اور

---

[18]۔بانگِ درا،علامہ محمد اقبال، نظم محبت،لاہور:اعتقاد پبلشنگ ہاوس،ص ۱۸۴
[19]۔بال جبرئیل،علامہ محمد اقبال،اپنی جولاں گاہ زیر آسماں سمجھا تھا میں،ص ۵۷
[20]۔بانگ درا،علامہ محمد اقبال،نالہ ہے بلبل شوریدہ ترا خام ابھی،ص ۱۲۳

MY ISLAMICUS
A Research Journal of Institute of Islamic Studies & Shariah, MY University Islamabad, Pakistan
https://myislamicus.com/index.php/myi Volume.1, Issue.1 (Dec-2024)

اوصاف کو اپنانے کی کوشش کرتے ہیں نہ صرف یہ بلکہ اسے زندگی کا حصہ بنا کر اُنسے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔اس لئے استاد ہر معاملے میں احتیاط برتے اور اُن اصولوں کو اپنائے جس میں اسلامی اقدار موجود ہوں۔اقبال فلسفہ تعلیم کے تحت انسان کے لئے علم کے ساتھ ساتھ عقل وخرد کی پاکیزگی حاصل کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں اور یہ پاکیزگی علم کو انسان کے لئے خیر کا باعث بناتی ہے اور شر کا باعث بننے سے روکتی ہے۔اقبالؒ کے فلسفہ تعلیم کا اصل مقصد انسان کی مخفی صلاحیتوں کو اس انداز میں بیدار کرنا ہے کہ سماجی زندگی میں اس کے لئے تعمیری نتیجے بر آمد ہوں یعنی ہر فرد معاشرتی زندگی کی فلاح کی کوششوں میں مصروف رہے اور خود بھی معاشرے کا فرد ہونے کی بنا پر اس کییہ کوشش بالواسطہ خود اس کی اپنی فلاح کی بھی ضمانت فراہم کرتی چلی جائیں گی۔ہر انسان قدرت کی منشا اور مرضی کے مطابق وجود کے مقصد کی تکمیل کر سکتاہے۔اقبالؒ کے نظریہ تعلیم کی ابتداء 'بچے' کی ابتدائی زندگی سے ہوتی ہے۔

اللہ سے کرے دور تو تعلیم بھی فتنہبھی ہے
اولاد بھی املاک بھی جاگیر بھی فتنہ
ناحق کے لئے اٹھے تو شمشیر بھی فتنہ
شمشیر ہی کیا نعرہ تکبیر بھی فتنہ [21]

اقبالؒ علم کی برتری کو جان ودل سے تسلیم کرتے ہیں۔وہ علم کو زینت کا نشانہ تصور کرتے ہیں۔اقبالؒ اُس علم کے قائل نہیں جو صرف عقل کا غلام ہو اور دل کی دنیا کو معتکف نہ بنائے۔وہ علم کو عقل و نظر کا نقیب بنانا چاہتے ہیں تاکہ ذہن کی جلا بھی کرے اور دل کو بھی روحانی وجسمانی ووجدانی سرور عطا کرتا رہے۔

اقبالؒ نے اساتذہ کی بھی ذمہ داریوں کی نشان دہی کی ہے۔اساتذہ اپنی آغوش سعادت میں پلنے والے شاہین زادوں کو ایسی تعلیم دیں جس سے اُن کے اندر ملی اور قومی جذبہ اُبھرے اور اُن کی شخصیت نمایاں بنے۔ان کی انفرادیت کی تربیت ہو۔مذہب سے محبت کریں جمادات اور نبادات کی ضروریات اور اُن کے متعلق جان سکیں۔یہ ذمہ داری اساتذہ کی ہے۔

مقصد ہو اگر تربیت لعل بدخشاں
بے سود ہے بھٹکے ہوئے خورشید کا پرتو [22]

اس شعر میں اقبال نے سورج کو استاد سے مماثل کیا ہے یعنی اگر استاد طالب علموں کو علم کی صحیح اور سچی روشنی نہ دیں تو

---

[21] ۔سرفراز بزمی
[22] ۔ضرب کلیم،علامہ محمد اقبال،اساتذہ،ص ۱۳۲

قیمتی سے قیمتی اور لائق سے لائق طالب علم بھی راہ راست سے بھٹک جائے گا جیسا کہ آج کل کے تعلیمی اداروں میں نظر آتا ہے
۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں[23]

اس شعر میں علامہ نے دورِ جدید کے مدرسوں میں پڑھنے والے ان طالب علموں کو جو اہل مغرب کے افکار و خیالات اور ان کی تہذیب و ثقافت کا شکار ہو چکے ہیں کہا ہے کہ تم ایک ایسے سمندر کی مانند ہو جس کی لہروں میں کوئی تڑپ اور بے قراری نظر نہیں آتی۔ میری دعا ہے کہ خدا تمہاری زندگی کے سمندر کو کسی طوفان سے آشنا کر دے یعنی تمہارے اندر صحیح زندگی، انسانیت اور صحیح مسلمانی کا جذبہ اس حد تک پیدا ہو جائے جیسا کہ سمندر میں طوفان ہوتا ہے۔

خلاصہ بحث

اقبال زمانہ شناس اور عہد ساز شاعر تھے۔ انھوں نے مشرق و مغرب کے سیاسی، تہذیبی، معاشرتی اور روحانی حالات کا گہرا مطالعہ کیا اور مشرق کو اس کی بدحالی اور خاص طور پر مسلمانانِ ہند کو ان کی کمزوریوں اور خامیوں پر خبر دار کرتے ہوئے اپنی شاعری کے ذریعے بالخصوص نوجوانوں کو علم و عمل کی ترغیب دی۔ اقبال نے مسلمانوں کو حیات و کائنات کو مسخر کرنے اور اسلاف کے فراموش کردہ کردار اور ورثے کو پانے اور اس کا احیا کرنے کی طرف مائل کیا مذہبی افکار پر بہت سے علما کرام نے اپنی اپنی آرا کا اظہار کیا ہے جن میں مولانا شبلی نعمانی، سر سید احمد خان، مولانا ابوالکلام آزاد علامہ اقبال وغیرہ سر فہرست ہیں ۔لیکن یہاں ہم علامہ اقبال کے مذہبی افکار کا ذکر کریں گے۔

اگر ہم اقبال کی شاعری کا بغور مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اقبال کی شاعری کے دو بنیادی ماخذ ہیں

قرآن اور حدیث

اقبال نے اپنے تمام تر تصورات کی عمارت قرآن مجید سے اخذ کردہ مفاہیم پر قائم کی ہے اقبال کی فکر کا سرچشمہ بے شک قرآن ہی ہے جس کا اظہار آپ نے اپنے اشعار میں کئی بار کیا ہے علامہ اقبال کی فکر کی بنیاد قرآن مجید ہے ان کی فکر و سوچ کا محور قرآن ہے۔ اقبال کا خیال ہے کہ مسلمانوں کی ترقی، عروج و زوال سب قرآن سے جڑا ہے۔ اقبال کے مذہبی افکار میں مرد مومن، فلسفہ خودی، فلسفہ عقل و عشق، فلسفہ تعلیم اس کے علاوہ اور بھی بہت سے افکار شامل ہیں اقبال کے ان افکار پر لکھنا انتہائی مشکل کام ہے یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ اقبال کے مذہبی افکار پر لکھنا دریا کو کوزے میں سمیٹنے کے مترادف ہے۔

---

[23] ۔ ایضاً، ص ۱۴۶

مصادر و مراجع

۱۔ القواعد الفقھیہ، مفتی محمد عمیم الاحسان، ہند: مکتبہ الاتحاد، ص ۳۷

۲۔ التعریفات، علامہ میر سید شریف جرجانی، قاہرہ: مجمع اللغۃ العربیہ، ۲۰۰۹، ص ۱۶۸

۳۔ دائرۂ معارفِ اسلامیہ، لاہور: دانش گاہ پنجاب، ج ۱۵، ص 450

۴۔ ویکیپیڈیا، آزاد دائرہ معارف

۵۔ رموزِ بے خودی، علامہ محمد اقبال، عرض حال بحضور رحمت للعالمین، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۴، ص ۱۵۷

۶۔ فکر اقبال کی اساس، پروفیسر قاری محمد طاہر، روزنامہ پاکستان ۲۸ نومبر 2016

۷۔ بال جبرئیل، علامہ محمد اقبال، کمال جوش جنوں میں رہا میں گرم طواف، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ص ۴۱۸

۸۔ کلیات اقبال، علامہ محمد اقبال، جواب شکوہ، کراچی: لائن پبلشرز، ص ۱۲۔

۹۔ ضرب کلیم، علامہ محمد اقبال، نظم تن بہ تقدیر، کراچی لائن پبلشرز، ص ۲۴

۱۰۔ پیام مشرق، علامہ محمد اقبال، بحضور امیر امان اللہ خان، لاہور: مشتاق بک کارنر، ص ۳۷

۱۱۔ اسرار خودی، علامہ محمد اقبال، دربیان خودی از عشق، لاہور: مشتاق بک کارنر، ص ۵۶

۱۲۔ بال جبرئیل، علامہ محمد اقبال، مسجد قرطبہ، لاہور: تاج کمپنی لمیٹڈ، ص ۴۱۸

۱۳۔ بال جبرئیل، علامہ محمد اقبال، ہوا نہ زور سے اس کے کوئی گریباں چاک، ص ۲۱۰

۱۴۔ بال جبریل، علامہ محمد اقبال، ساقی نامہ، ص ۴۳۰

۱۵۔ بانگِ درا، علامہ محمد اقبال، نظم محبت، لاہور: اعتقاد پبلشنگ ہاوس، ص ۱۸۴

۱۶۔ بال جبرئیل، علامہ محمد اقبال، اپنی جولاں گاہ زیر آسماں سمجھا تھا میں، ص ۵۷

۱۷۔ بانگ درا، علامہ محمد اقبال، نالہ ہے بلبل شوریدہ ترا خام ابھی، ص ۱۲۳

۱۸۔ سرفراز بزمی

۱۹۔ ضرب کلیم، علامہ محمد اقبال، اساتذہ، ص ۱۳۲